اشارات

قرآن مجید میں جگہ جگہ ان قوموں کا ذکر آیا ہے جن پر گذشتہ زمانہ میں خدا کا عذاب نازل ہوا ہے۔ ہر قوم پر نزول عذاب کی صورت مختلف رہی ہے۔ عاد پر کسی طرح کا عذاب اترا، ثمود پر کسی اور طرح کا، اہل مدین پر کسی دوسری صورت میں، اور آل فرعون پر ایک نئے انداز میں۔ مگر عذاب کی شکلیں اور صورتیں خواہ کتنی ہی مختلف ہوں، وہ قانون جس کے تحت یہ عذاب نازل ہوا کرتا ہے ایک ہی ہے، اور ہرگز بدلنے والا نہیں ہے سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۳۳-۸)

نزول عذاب کے اس قانون کی تمام دفعات پوری تشریح کے ساتھ قرآن مجید میں درج کی گئی ہیں۔ اس کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی خوش حالی بڑھ جاتی ہے تو وہ غلط کاری اور گمراہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور فطرۃً اس کی عملی قوتوں کا رخ صلاح کے بجائے فساد کی طرف پھر جایا کرتا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (۱۷: ۲)	اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ اس بستی میں نافرمانیاں کرتے ہیں

پھر وہ بستی عذاب کے حکم کی مستحق ہو جاتی ہے پھر ہم اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔

دوسرا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ خدا کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا، بدکار قوم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتی ہے۔ خدا کسی قوم کو نعمت دیکر اس سے کبھی نہیں چھینتا، ظالم قوم خود اپنی نعمت کے درپے ہو جاتی ہے اور اس کے مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۸: ۵۳)	یہ اس لئے کہ اللہ کبھی اس نعمت کو بدلنے والا نہیں ہے جو اس نے کسی قوم کو بخشی ہو، تا وقتیکہ وہ قوم خود اپنے آپ کو نہ بدل دے اور اس وجہ سے کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔
فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۹: ۷۰)	اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرتا، وہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

پھر یہ بھی اسی قانون کی ایک دفعہ ہے کہ خدا ظلم (ظلم بر نفس خود) پر مواخذہ کرنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے۔ اور تنبیہیں کرتا رہتا ہے کہ نصیحت حاصل کریں اور سنبھل جائیں۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (۱۶: ۶۱)	اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کے بدلے میں پکڑتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس باقی نہ رہتا۔ مگر وہ لوگوں کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دیا کرتا ہے
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	ہم نے تم سے پہلے کی قوموں میں بھی اسی طرح پیغمبر بھیجے ان کو سختی اور تکلیف میں گرفتار کیا تاکہ شاید

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۔ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶:۵)

وہ ہماری طرف عاجزانہ جھکیں پس جب ان پر ہماری طرف سے مصیبت آئی تو کیوں نہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائے؟ مگر ان کے دل سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے اعمال کو مزین بنا دیا تھا۔

اس ڈھیل کی مدت میں اکثر ظالم قوموں کو خوش حالی کے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ وہ اس سے دھوکہ کھا جاتی ہیں۔ اور واقعی یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ ہم ضرور نیکوکار ہیں۔ ورنہ ہم پر نعمتوں کی بارش کیوں ہوتی؟

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ، نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (۲۳:۴)

کیا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو مال اولاد سے انکی امداد کئے چلے جا رہے ہیں (تو اس کے معنی یہ ہیں کہ) ہم ان کو فائدہ پہونچانے میں جلدی کر رہے ہیں (حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے اصلی بات جو کچھ ہے) اسے یہ نہیں سمجھتے۔

آخرکار جب وہ قوم کسی طرح کی تنبیہ سے نہیں سنبھلتی اور ظلم کئے جاتی ہے تو خدا اس کے حق میں نزول عذاب کا فیصلہ کر دیتا ہے اور جب اس پر عذاب کا حکم ہو جاتا ہے تو پھر کوئی قوت اس کو نہیں بچا سکتی۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا (۱۸:۸)

یہ بستیاں (جن کے آثار تم دیکھ رہے ہو) ان کو ہم نے اس وقت تباہ کیا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انکے ہلاک ہونے کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا تھا

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ

اور جب تیرا رب ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے تو وہ ایسی ہی

ظَالِمَةٌ، اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (۱۱: ۹) بری طرح پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوا کرتی ہے۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۲:۱۳) اور جب خدا کسی قوم کے حق میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی قوت اس کی شامت کو دفع کرنے والی نہیں ہوتی، اور پھر خدا کے مقابلہ میں ان کا مددگار نہیں نکلتا

یہ عذاب الٰہی کا اٹل قانون جس طرح پچھلی قوموں پر جاری ہوتا رہا ہے اسی طرح آج بھی اس کا عمل جاری ہے اور اگر بصیرت رکھتے ہوں تو اپنی آنکھوں سے اس کے نفاذ کی کیفیت مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مغرب کی وہ عظیم الشان قومیں جن کی دولت مندی و خوشحالی، طاقت و جبروت، شان و شوکت عقل و ہنر کو دیکھ دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں اور جن پر انعامات خداوندی کی پیہم بارشوں کے مشاہدے سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ خدا کے بڑے ہی مقبول اور چہیتے بندے اور خیر و صلاح کے مجسمے ہیں۔ ان کی اندرونی حالت پر ایک غائر نگاہ ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اس عذاب الٰہی کے قانون کی گرفت میں آچکی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو خود اپنے انتخاب و اختیار سے اس دیو ظلم (ظلم بر نفس خود) کے چنگل میں پوری طرح پھنسا دیا ہے جو تیزی کے ساتھ انہیں تباہی و ہلاکت کی طرف لیے چلا جا رہا ہے۔

وہی صنعت و حرفت کی فراوانی، وہی تجارت کی گرم بازاری وہی دہائے سیاسی کی کامیابی وہی علوم حکمیہ و فنون عقلیہ کی ترقی، وہی نظام معاشرت کی فلک پیما بلندی، جس نے ان قوموں کو تمام دنیا پر غالب کیا، اور روئے زمین پر ان کی دھاک بٹھائی آج ایک ایسا خطرناک جال بن کر

ان کو پلٹ گئی ہے جس کے ہزاروں پھندے ہیں۔ اور ہر پھندے میں ہزاروں مصیبتیں ہیں۔ وہ اپنی عقلی تدبیروں سے جس پھندے کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا ہر تار کٹ کر ایک نیا پھندا بن جاتا ہے۔ اور رہائی کی ہر تدبیر مزید گرفتاری کا سبب ہوجاتی ہے۔

یہاں ان تمام معاشی اور سیاسی اور تمدنی مصائب کی تفصیل کا موقع نہیں ہے جن میں مغربی قومیں اس وقت گرفتار ہیں۔ بیان مدعا کے لئے اس تصویر کا صرف ایک پہلو پیش کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ قومیں کس طرح اپنے اوپر آپ ظلم کررہی ہیں۔ اور کس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کئے جارہی ہیں۔

اپنے معاشی تمدنی اور سیاسی احوال کی خرابی کے اسباب تشخیص کرنے اور ان کا علاج تجویز کرنے میں اہل فرنگ سے عجیب عجیب غلطیاں ہورہی ہیں منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات کا بڑا اصلی سبب آبادی کی کثرت کو سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ افزایش نسل کو روکا جائے۔ معاشی مشکلات کے ساتھ ساتھ یہ خیال نہایت تیزی کے ساتھ مغربی ممالک میں اپنی پھیلنا شروع ہوگیا ہے اور دلوں میں کچھ اس طرح بیٹھا ہے کہ لوگ اپنی نسل کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھنے لگے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر اپنی نسل کے سب سے بڑے دشمن بن گئے ہیں۔ ضبط ولادت کے نئے نئے طریقے جو پہلے کسی کے ذہن میں بھی نہ آتے تھے، اب عام طور پر رائج ہورہے ہیں۔ اس تحریک کو ترقی دینے کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت ہورہی ہے، کتابیں، پمفلٹ، رسائل اور جرائد خاص اسی موضوع پر شائع کئے جارہے ہیں۔ انجمنیں اور جمعیتیں قائم کی جارہی ہیں۔ ہر عورت اور مرد کو اس کے متعلق معلومات بہم پہونچانے، اور عملی آسانیاں فراہم کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔ غرض کئی سال سے یورپ اور امریکہ کے عمرانی "مصلحین" نے اپنی نسلوں کے خلاف ایک زبردست جنگ چھیڑ دی ہے اور جوش

اصلاح میں ان کو یہ سوچنے کا ہوش بھی نہیں ہے کہ آخر یہ جنگ کہاں جا کر رکے گی۔

توالد و تناسل سے مغربی قوموں کی نفرت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ضبط ولادت کے متعدد طریقوں سے بچ بچا کر جو حمل ٹھیر جاتے ہیں۔ ان کو بھی اکثر و بیشتر گرا دیا جاتا ہے، روس میں تو یہ فعل قانوناً جائز قرار دیدیا گیا ہے۔ اور ہر عورت کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تین مہینے تک کا حمل ساقط کر دے لیکن انگلستان اور دوسرے فرنگی ممالک میں جہاں اسقاط حمل قانوناً ممنوع ہے خفیہ طور پر اسقاط کی کثرت وبا کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ فرانس میں عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ جتنے بچے ہر سال پیدا ہوتے ہیں قریب قریب اتنے ہی حمل ہر سال ساقط کئے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض ڈاکٹروں کا خیال یہ ہے کہ اسقاط کی تعداد پیدائش سے زیادہ ہے تیس اور چالیس برس کے درمیان شاید ہی کوئی عورت ہو جس نے اسقاط کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ گو قانوناً یہ فعل جرم ہے لیکن دواخانوں میں علانیہ اس کا ارتکاب ہوتا ہے اور فرضی بیماریاں رجسٹروں میں درج کر دی جاتی ہیں۔ انگلستان میں بہت سی دائیاں ہیں جن کا کاروبار اسقاط ہی سے چلتا ہے۔ ایک ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ ہر پانچ عورتوں میں سے چار ایسی ضرور نکلیں گی جنھوں نے کبھی نہ کبھی اسقاط کیا ہوگا۔ جرمنی میں تقریباً دس لاکھ حمل ہر سال ساقط کئے جاتے ہیں، اور اتنی ہی تعداد زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی ہے۔ بعض جرمن شہروں میں تو اندازہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ بیس سال کے اندر جتنے بچے پیدا ہوئے اس سے دوگنے حمل ساقط کر دیے گئے

عورت جس کے اندر فطرت نے ایک زبردست جذبۂ مادری رکھا تھا، مغربی ممالک میں اب اتنی شقی القلب ہو گئی ہے کہ وہ اپنے پیٹ کی اولاد کو ہلاک کرنے کے لئے خود اپنی جان تک کو

خطرہ میں ڈالنے سے نہیں چوکتی۔ ڈاکٹر نارمن ھیر (Norman Haire) اپنی ایک تقریر میں بیان کرتا ہے کہ ایک حاملہ عورت اس کے ہاں آئی اور اس نے اسقاط کی خواہش ظاہر کی جب قانونی مجبوری کی بنا پر عذر کیا گیا تو اس نے طرح طرح کی زہریلی دوائیں کھا کر پیٹ گرانے کی کوشش کی سیڑھیوں پر سے قصداً اپنے آپ کو لڑھکایا اونچے اونچے مقامات سے کودگئی بھاری بھاری بوجھ اٹھائے اور جب اس سے بھی اسقاط نہ ہوا تو آخر کار ایک اناڑی قابلہ کی دوا استعمال کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ مادام البرشٹ (Madamme Albrecht) کا بیان ہے کہ عورتیں حمل ساقط کرنے کے لئے وہ وہ حرکتیں کر گذرتی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں مثلاً پیٹ پر سخت آلات سے ضربیں لگانا، رحم کو مختلف آلات سے صدمہ پہنچانا، وحشیانہ طریقوں سے ناچنا، اپنے آپ کو قصداً اونچی جگہوں سے گرا دینا۔ سخت سے سخت زہریلی چیزیں حتیٰ کہ بارود تک کھا جانا وہ ایک فرانسیسی عورت کا قصہ بیان کرتی ہے کہ اس نے حمل سے تنگ آکر ایک لمبی پن لی اور رحم میں چبھو چبھو کر اس کو اتنا زخمی کیا کہ خون جاری ہوگیا۔ اس قسم کی بدولت بکثرت عورتیں ہر سال اپنی جان دیدیتی ہیں۔ چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ انگلستان کے شفاخانہائے نسوان میں جتنی عورتیں ہر سال مرتی ہیں۔ ان میں سے نصف کا سبب اسقاط حمل ہے۔ اور یہی کیفیت دوسرے ممالک کی بھی ہے

اس زبردست نسل کُشی کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی شرح پیدائش میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ سنہ ۱۸۷۶ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے اعداد کا مقابلہ کیجئے انگلستان اور ویلز میں شرح پیدائش ۲ء ۳۶ فی ہزار سے گھٹ کر ۳ء ۱۶ (اور سنہ ۱۹۳۱ء میں ۸ء ۱۵) رہ گئی ہے۔ جرمنی میں ۹ء ۴۰ سے ۵ء ۱۷ اٹلی میں ۲ء ۳۹ سے ۷ء ۲۶، سویڈن میں ۸ء ۳۰ سے ۴ء ۱۵، نیوزی لینڈ میں ۱ء ۴۱ سے ۸ء ۱۸ تک گھٹ گئی ہے۔ سردست چونکہ ان ممالک میں شرح اموات بھی قریب قریب اسی نسبت سے

کم ہوگئی ہے اس لئے آبادی ایک حالت پر ٹھیری ہوئی ہے لیکن اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر شرح پیدائش اسی رفتار سے گھٹتی رہی تو دس سال گذرنے کے بعد یہ ٹھیری ہوئی حالت قائم نہیں رہیگی بلکہ آبادی گھٹنی شروع ہوجائے گی۔

سب سے زیادہ خطرناک حالت فرانس کی ہے۔ تمام دنیا کے ممالک میں صرف یہی ملک ایسا ہے جہاں کی آبادی روز بروز گھٹتی چلی جارہی ہے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں وہاں کی شرح پیدائش ۲۵٫۲ فی ہزار تھی سنہ ۱۹۳۱ء میں ۱۷٫۵ رہ گئی مگر شرح اموات میں اس تناسب سے کمی نہیں ہوئی سنہ ۱۸۸۰ء میں شرح اموات ۲۲٫۶ تھی سنہ ۱۹۳۱ء میں صرف ۱۶٫۳ تک اتری۔ فرانس کے ہمسایہ اور حریف ممالک جرمنی، اور اٹلی میں ۱۳۵ اور ۱۳۰ آدمی فی مربع کیلو میٹر آباد ہیں۔ مگر فرانس میں صرف ۷۳ فی مربع کیلو میٹر آبادی کا اوسط ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں فرانس کی سرزمین پر ۷۳۰۲۴۹ بچے پیدا ہوئے اور اس کے حریف جرمنی میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد ۱۰۳۱۵۰۰ تھی۔

مس سلی ہیملٹن اپنی کتاب (ماڈرن فر   ) میں لکھتی ہے کہ اس حالت نے فرانس کے مدبرین سیاست میں ایک گہری پریشانی پیدا کر رکھی ہے جس کا بُرا اثر نہ صرف فرانس بلکہ تمام دنیا کی سیاست پر مترتب ہو رہا ہے۔ فرانس کی عیش پسند آبادی دیہات کو چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں منتقل ہو رہی ہے۔ اٹلی و پولینڈ وغیرہ ممالک کے باشندے ہجرت کر کے فرانس میں آرہے ہیں۔ اور زمینوں پر قبضہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ فی ہفتہ ۶ ہزار مہاجرین کا اوسطاً اندازہ لگایا گیا ہے سنہ ۱۹۲۹ء میں فرانسیسی سرزمین پر جتنے بچے پیدا ہوئے ان میں تقریباً ۹ فی صدی غیر قوموں کے تھے۔ اس سے فرانسیسی سیاسیین کو اندیشہ ہے کہ آگے چل کر ایک وقت ایسا آئے گا جب فرانسیسی قوم خود اپنے گھر میں غیر قوموں کی اکثریت سے مغلوب ہو جائے گی تاہم یہ خطرہ بعید ہے۔ بالکل قریبی خطرہ

یہ ہے کہ فرانس کے حریف اٹلی اور جرمنی کی آبادی اس سے بہت زیادہ ہے۔ اگر تخفیف اسلحہ کی تجاویز منظور کر کے فرانس اپنے آلات جنگ کم کر دے تو آیندہ لڑائی میں کامیابی کا انحصار فوج کی کثرت پر ہوگا اور اس میدان میں اکیلا جرمنی اور اکیلا اٹلی، فرانس پر زور رہے گا۔ یہی خطرات ہیں جن کی وجہ سے فرانس کا طرز عمل بین الملی مسائل میں دوسری اقوام کے خلاف ہے۔

یہ نتائج ہیں اس عاقلانہ تدبیر کے جو یورپ نے اپنی معاشی اور تمدنی مشکلات کو دور کرنے کے لئے اختیار کی ہے۔ اس وقت فرانس کے سوا تمام فرنگی ممالک کی آبادی صرف اس وجہ سے ایک ٹھیری ہوئی حالت پر قائم ہے کہ شرح اموات سے شرح پیدائش ابھی تک زیادہ ہے۔ اس لئے شرح پیدائش کے گھٹنے کا اثر آبادی پر مترتب نہیں ہوا ہے۔ لیکن اہل فرنگ کے پاس یہ یقین کرنے کی کونسی معقول وجہ ہے کہ شرح اموات اور شرح پیدائش کا یہی تناسب ہمیشہ برقرار رہے گا؟ کیا انہوں نے اسکا اطمینان کرلیا ہے کہ کسی روز مغربی افریقہ کے مچھر زرد بخار کے جراثیم لئے ہوئے خود انہی کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر یورپ نہ پہنچ جائیں گے؟ کیا انہوں نے اس کی کوئی ضمانت لے لی ہے کہ کبھی یورپ میں اچانک انفلوئنزا، طاعون، ہیضہ اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض میں سے کوئی مرض نہ پھیل جائے گا؟ کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ ایک دن یکایک فرنگی سیاست کے باروت خانوں میں سے کسی ایک میں ویسی ہی کوئی چنگاری نہ آپڑے گی جیسی ۱۹۱۴ء میں سراجیفو میں گری تھی، اور پھر فرنگی قومیں خود اپنے ہاتھوں سے وہ سب کچھ نہ کر گذریں گی جو کوئی وبا اور کوئی بیماری نہیں کر سکتی؟ اگر ان میں سے کوئی صورت بھی پیش آگئی اور دفعتہً یورپ کی آبادی میں سے چند کروڑ آدمی قتل یا ہلاک یا ناکارہ ہو گئے، تو اس وقت یورپ کے باشندوں کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود کس طرح تباہ کیا۔

اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰی اَنْ یَاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا — کیا بستیوں کے لوگ مطمئن ہیں کہ ہمارا عذاب انپر آ ٹوٹے

بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (۷ : ۱۲)

نہ آجائے گا جب کہ وہ سوتے ہوں گے؟ اور کیا ان بستیوں کے لوگوں نے اس کا اطمینان کرلیا ہے، کہ ہمارا عذاب کبھی دن دہاڑے ان کو نہ آئے گا جبکہ وہ کھیلتے ہوں گے؟ اور کیا وہ اللہ کی چال سے بیخوف ہوگئے ہیں؟ سو اللہ کی چال سے تو وہی لوگ بیخوف ہوتے ہیں جن کو برباد ہونا ہے۔

ایسی ہی ایک قوم اب سے تین ہزار برس پہلے عرب کے جنوبی ساحل پر آباد تھی جس کا ذکر قرآن میں سبا کے نام سے آیا ہے اس قوم کی گھنی آبادی کا سلسلہ سواحل بحر ہند سے سواحل بحر احمر تک پھیلا ہوا تھا ہندوستان اور یورپ کے درمیان جتنی تجارت اس زمانہ میں ہوتی تھی، وہ سب اسی قوم کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے تجارتی قافلے جنوبی ساحل سے مال لے کر چلتے تو مغربی ساحل تک مسلسل بستیوں اور باغوں کی چھاؤں میں چلے جاتے تھے۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ، سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ (۳۴ : ۲) مگر انہوں نے اللہ کی اس نعمت کو مصیبت سمجھا اور چاہا کہ ان کی یہ گھنی، متصل مسلسل بستیاں کم ہو جائیں اور ان کا باہمی فصل بڑھ جائے فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہاں لفظ بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا سے پتہ چلتا ہے کہ تجارتی خوشحالی کی وجہ سے جب آبادی بڑھی اور بستیاں گنجان ہوگئیں تو وہاں بھی یہی سوال پیدا ہوا تھا جو آج یورپ میں پیدا ہوا ہے۔ اور وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے اشارہ ملتا ہے کہ شاید انہوں نے بھی ایسی کچھ تدبیریں اختیار کی ہونگی جن سے انکی بستیوں کا درمیانی فصل بڑھ جائے یا بالفاظ دیگر آبادی کم ہو جائے پھر ان کا حشر کیا ہوا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۴ : ۲) خدا نے انکو منتشر اور پارہ پارہ کرکے ایسا تباہ و برباد کیا کہ بس انکا وجود افسانوں ہی میں رہ گیا۔